لوٹے لیڈر اور انا پرست سیاسی ورکرز

تحریر: سہیل احمد لون

کچھ عرصہ قبل برطانوی اخبار میں ایک عدالتی فیصلے کی تفصیل شائع ہوئی۔ جس کی رپورٹ کے مطابق ایک برطانوی شخص کو عدالت میں پیش کیا گیا جو ایک مقامی کونسل کا ملازم تھا۔ کونسل کی گاڑی کے ساتھ جا کر مکانوں اور فیکٹریوں کے باہر کوڑے دانوں کو خالی کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ ایک دن وہ کسی سمال انڈسٹری (چھوٹی فیکٹری) سے کوڑا کرکٹ اٹھانے گیا تو اس نے دیکھا کہ کوڑے دانوں میں پڑا ہوا کچرا حکومت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ تھا۔ کوڑے کے ڈبوں کے مخصوص رنگ کا مطلب اس میں صرف مذکورہ کچرا ہی پھینکنا ہوتا ہے مگر فیکٹری والوں نے اس میں احتیاط نہ برتی اور تمام کوڑے دانوں میں مکس کچرا پھینک دیا۔ اس پر کونسل کے ملازم نے کوڑے کے ڈبوں کو خالی نہ کیا بلکہ ان کوڑے دانوں پر ایک نوٹس چسپاں کر کے چلا گیا جس پر تحریر تھا ''کوڑے کو گورنمنٹ کے بنائے اصول کے مطابق نہیں جمع کیا گیا لہٰذا اسے نہیں اٹھایا جائے گا'' اس نے اپنے مقدمے کو مضبوط بنانے کیلئے کچرے کے ڈبوں کی تصاویر بھی لے لیں۔ اس کے جانے کے بعد جب فیکٹری کے مالکان نے کوڑے دانوں پر چسپاں نوٹس پڑھا تو انہوں نے کونسل کے ملازم کی شکایت کر دی اور معاملہ عدالت تک پہنچ گیا۔ جج نے کونسل کے ملازم کا جب سابقہ ریکارڈ دیکھا تو اس کو معلوم ہوا کہ کونسل میں ملازمت سے قبل یہ برٹش آرمی میں سروس کر چکا تھا اور عراق و افغانستان کی جنگوں میں حصہ بھی لے چکا تھا۔ جج صاحب نے اس کو کہا کہ کوڑے کے ڈبے خالی کرنا تمھاری ڈیوٹی تھی اور اگر ڈبوں میں قوانین کے مطابق کوڑا نہیں پھینکا گیا تھا تو تمھارا کام تھا کہ اس کی شکایت اپنی کونسل کو کرتے۔ مگر تم نے اپنا قانون بنا کر خود ہی فیصلہ کر ڈالا اور برطانوی شہری کے حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا۔ کچرا وہیں چھوڑ جانا تحفظ صحت کے اصولوں کے منافی تھا۔ لہٰذا ملازم کو نوکری سے نکالنے کا حکم جاری کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کو جرمانہ بھی کیا گیا۔ شاید افغانستان اور عراق میں ''نیٹو گردی'' کر کے وہ یہ بھول گیا تھا کہ اب وہ برطانیہ واپس آ چکا ہے، جہاں انسان بستے ہیں۔ اسی طرح سی آئی اے کے ایجنٹ ریمنڈ ڈیوس کو امریکہ میں ایک امریکی شہری سے الجھنے کی بنا پر قانون بنانے والے اداروں کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ جس کو شاید پاکستان میں رہ کر ''امریکن گردی'' کی عادت پڑ گئی تھی۔ عجیب بات ہے کہ دنیا میں انسانی حقوق کا پرچار کرنے والے جب ہمارے خطے میں ہوتے ہیں تو ان کو سب خون معاف ہوتے ہیں اور یہی لوگ جب اپنے ممالک میں کوئی معمولی نوعیت کا جرم بھی کریں تو ان کو انسانی حقوق کو پامال کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔ پاکستانی کرکٹرز کو برطانوی عدالت نے جس جرم کی سزا دی اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ آج تک کسی کھلاڑی کو جوئے یا سٹے بازی میں ملوث پائے جانے کی وجہ سے پابند سلاسل نہیں کیا گیا۔ عدالتی کارروائی اور فیصلہ دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ کھلاڑیوں کا جوئے یا سٹے بازی میں ملوث پائے جانے سے بڑا یہ جرم تھا کہ وہ پاکستانی تھے۔ ورنہ کرکٹ میں جوئے کا ہیڈ آفس تو بھارت میں ہے۔ جہاں کئی کھلاڑی اس گھناؤنے جرم میں مرتکب پائے گئے ہیں۔ مگر اتنی سخت سزا کسی کو نہیں ہوئی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انسانیت کا پرچار کرنے والے، انسانی

حقوق کے علمبر دار ہونے کا دعویٰ کرنے والے اپنے ملک میں تو قانون اور انصاف کی بالا دستی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔اس کے لیے چاہے ان کو غیر ملکی کھلاڑیوں کو عبرت کا نشان ہی کیوں نہ بنانا پڑے۔ رائمنڈ ڈیوس ہو یا کوئی کونسل کا ملازم (سابقہ برٹش فوجی) اگر وہ پاکستان، عراق یا افغانستان میں انسانیت کی دھجیاں بکھیریں یا انسانی اعضاء کے لوتھڑے فضاء میں بکھیرتے رہیں......ان کو کھلی چھٹی دے دی جاتی ہے بلکہ ان کو ایسا کرنے کا لائسنس دیا جاتا ہے۔ وہی لوگ جب اپنے ملک میں کوئی معمولی نوعیت کا جرم بھی کرتے ہیں تو قانون کی غیرت جاگ جاتی ہے۔ان کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جاتا ہے، جرمانے اور سزائیں دی جاتی ہیں۔ان کرائے کے غنڈوں کو اپنے ممالک میں کسی قسم کا کوئی استثناء نہیں دیا جاتا۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے تحفظ کے قوانین جگہ، ماحول اور فرد کی بنیادی اور ریاستی اہمیت دیکھ کر لاگو کیے جاتے ہیں۔ بھلا ہم بیرونی قوتوں سے حق اور انصاف کی کیسے امید کر سکتے ہیں......؟ جب ہمارا اپنا نظام ہی تباہی کی ساری حدود پار کر چکا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے اگر کسی ملک میں ظالم حکمران عوامی حقوق سلب کریں گے تو بیرونی طاقتیں ان حکمرانوں کو عوام سمیت اپنی وحشت کے لیے تختہءِ مشق بنا لیتے ہیں۔ دراصل ہمارے ساتھ آج تک جو کچھ ہوتا رہا ہے، جو کچھ ہو رہا ہے ......اور جو کچھ ہونے جا رہا ہے اس میں "قصوروار" کرنے والا نہیں بلکہ "کروانے والا" ہے۔ یہ وہ ملک دشمن عناصر ہیں جو "مادیت پرستی" میں بے غیرتی کے اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہونے سے بھی نہیں گھبراتے۔......! سلالہ چیک پوسٹ پر پاک فوج پر حملہ کر کے ان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فرنٹ لائن اتحادی بننے کا انعام دیا جاتا ہے۔اس میں قصور نیٹو فورس کا ہے یا ان کا جنہوں نے ان سانپوں کو آستین میں جگہ دی؟ تقریباً 2 دہائیوں سے دہشت گردی نے وطن عزیز کی فضا ایسی آلودہ کی ہوئی ہے کہ بارودی گھٹائیں چھٹنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ یہ ایک کڑوا سچ ہے کہ کوئی خارجی قوت ہماری زبوں حالی کی ذمہ دار نہیں بلکہ اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اسٹیل ملز آف پاکستان کو امریکیوں نے ہڑپ نہیں کیا اس کو ڈکار نے والے ہم میں ہی موجود ہیں۔ دنیا کی بہترین ایرلائنز میں شمار ہونے والی پی آئی اے کے جہازوں کو نیٹو فورسز کے فائٹر ایرکرافٹس نے لنگڑا لولا نہیں کیا۔اس ادارے کو تباہ کرنے والے آج بھی اشرافیہ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ریلوے کی حالت زار پر تو انگریز بھی خون کے آنسو بہا رہا ہوگا۔جس ادارے کو اس نے اتنے ارمانوں اور محنت سے مشترکہ ہندوستان میں متعارف کروایا اس کو تباہی کی دلدل میں دھکیلنا اس کی سازش نہیں ہو سکتی۔اس کا ستیاناس کرنے والے بھی ہم خود ہیں۔ الیکشن لڑنے کے لیے "ڈگری" کی شرط رکھی گئی۔ پھر کسی کو جعلی ڈگری کی وجہ سے وزارت چھوڑنی پڑی تو وہی "جعلی ڈگری ہولڈر" ڈگری کی شق ختم ہونے کے بعد دوبارہ الیکشن میں حصہ لیتا ہے اور کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔اس میں کامیاب ہونے والے کا کمال ہے یا اس کو کامیاب کروانے والوں کا قصور......؟ کچھ عرصہ قبل اسرائیل نے اپنا ایک صحافی آزاد کروانے کی خاطر درجنوں فلسطینیوں کو آزاد کرنی کی کڑوی گولی نگل لی۔ ایران کے شہروں کے تمام چوک ان کے لیڈروں کی تصاویر سے سجائے گئے ہیں جو عوام میں ان کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ عوامی طاقت ہی ہے جو ان کے لیڈروں کو ایٹمی طاقت نہ ہونے کے باوجود بیرونی طاقتوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ان کی سمندری حدود میں کوئی میرین خلاف ورزی کرے یا کوئی ڈرون ان کی فضائی حدود پار کرنے کی جسارت کرے تو اس کو قابو میں کر کے اپنے ملک سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہیں۔ایسا کرنے کے لیے لیڈر کو عوامی ہونا پڑتا ہے۔

جس ملک میں لیڈر اپنی عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھیں تو یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ دنیا میں اس ملک اور اس میں بسنے والوں کی عزت افزائی ہو۔ ہمارے سیاسی شعور کی حالت یہ ہے کہ ہم چار سالوں تک جس کو برا بھلا کہتے ہیں پانچویں سال الیکشن میں اُسی کی انتخابی مہم کا حصہ ہوتے ہیں۔ لوٹے ہمیشہ سیاست دان بنتے ہیں لیکن اگر پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے ورکرز یہ طے کرلیں کہ وہ صرف اُسی کی انتخابی مہم کا حصہ بنیں گے جس نے پاکستان کو خدمات فراہم کی ہیں تو ہمارا ہر مسئلہ حل ہوسکتا ہے لیکن پسے ہوئے طبقات کے پاس لے دے کر اک انا ہی ہوتی ہے جس پر وہ کبھی سودا بازی نہیں کرتے اور جس پارٹی کا حصہ بن جائیں ہمیشہ اُسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور پسے ہوئے طبقات کی یہ انا بھی بالا دست طبقات کے اقتدار کو طوالت بخشنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

sohailloin@gmail.com

16-08-2016